© rasailojaraid.com

مصر کا ایک قوم پرست شاعر حافظ ابن ابراہیم

(۱۸۷۰ ـــــــ ۱۹۳۲ء)

از مولانا مقتدی حسن ازہری ـــ بنارس

انیسویں صدی عیسوی کے آخری پچاس سال مصر اور دوسرے عرب ممالک کے لئے بڑے صبر آزما تھے مشکلات کا ایک لامتناہی سلسلہ سامنے تھا، ترک حکومت روبزوال تھی جسے سہارا دینے کی تمام کوششیں ناکام ہو چکی تھیں، انگریز یہ چاہتے تھے کہ مصر کو پوری طرح اپنے تسلط میں لے کر اس کی دولت وثروت اور جغرافیائی محل وقوع سے فائدہ اٹھایا جائے۔ مصر کا برسر اقتدار طبقہ اپنے قدم جمانے کے لئے مصری عوام سے بے نیاز ہو کر ترکوں، انگریزوں اور موقع پرست حاشیہ نشینوں پر مکمل اعتماد کر چکا تھا۔[1]

مصری عوام میں چونکہ پختہ سیاسی وقومی شعور پیدا نہیں ہوا تھا اس لئے وہ ان متضاد رجحانات کا شکار ہو کر اپنی صحیح منزل متعین کرنے سے قاصر تھے۔ ترکوں کے حامی طبقہ کو یہ امید تھی کہ عنقریب حالات میں تبدیلی ہوگی اور اسلام کی ترقی کے لئے راستہ ہموار ہوگا، لیکن یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا اور بعد کے واقعات نے اس طبقہ کو بھی مایوسی کی لپیٹ میں لے لیا۔

برسر اقتدار طبقہ کے حامی افراد کی تعداد محدود تھی ان سے عوام کو کسی طرح کے فائدے کی قطعاً امید نہ تھی۔ جو لوگ انگریزوں کے ہمنوا تھے ان کا معاشرہ میں کوئی مقام نہیں تھا لیکن قومی مفاد کو قربان کر کے وہ خود اچھی طرح مستفید ہو رہے تھے ـــــ ان مختلف گروہوں میں ایک بھی ایسا نہیں تھا جسے ملک وقوم کے مسائل سے صحیح طور پر دلچسپی اور پُرخلوص ہمدردی ہو۔

---

[1] شوقی ضیف:- دراسات فی الشعر العربی المعاصر ص ۹ -

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خدیوی اسماعیل کے دور میں مصر کی مالی حالت بے حد خراب ہو چکی تھی اور قرضوں کا بوجھ معاشیات کو تباہ کر رہا تھا، لیکن اسماعیل نے ملک کے سدھار کے لئے کبھی سنجیدگی سے غور نہیں کیا۔ اسماعیل کے بعد اس کا بیٹا توفیق تخت نشین ہوا، اسی زمانے میں احمد عرابی پاشا کی قیادت میں اس کے خلاف بغاوت نے سر اٹھایا۔ جسے فرو کرنے کے لئے توفیق نے غیر ملکی طاقت کا سہارا لیا اور نتیجہ میں مصر پوری طرح انگریزی سامراج کے قبضے میں آگیا، یہ مصری عوام کی بربادی اور سیاسی اضمحلال کا اہم سبب ثابت ہوا۔

ملک وقوم کے یہ حوصلہ شکن حالات ایسے مخلص مصلحین کے منتظر تھے جو لوگوں میں سیاسی و قومی شعور کو جلا دے کر ملک کو ترقی کی راہ پر ڈال سکیں۔ قدرت نے اس موقع پر سیاسی میدان میں مصطفیٰ کامل کو اور ادبی میدان میں حافظ ابراہیم کو پیدا کیا۔ اور ان دونوں اشخاص نے اپنی اپنی صلاحیت اور فن کو ملک و قوم کے لئے وقف کر دیا[1]۔ آئندہ سطور میں ہم حافظ بن ابراہیم کی زندگی اور ان کی شاعری کا ایک اجمالی خاکہ پیش کریں گے۔

ولادت و حالات: حافظ اسیوط کے ایک گاؤں "دیروط" میں پیدا ہوئے۔ باپ ابراہیم فہمی مصری تھے اور ماں ہانم بنت احمد ترکی نسل سے تعلق رکھتی تھیں۔ سن ولادت کا صحیح علم نہیں لیکن اندازے سے ۱۸۷۱ء یا ۱۸۷۲ء متعین کیا جاتا ہے۔ حافظ کے والد ابراہیم دیروط میں انجینئر تھے[2]، بالائی مصر کے ایک صاحبِ حیثیت فرد محمود سلیمان پاشا کی طرف سے دیروط کے پل کی نگرانی کا کام ان کے ذمے تھا۔ حافظ کی عمر صرف چار سال تھی جب والد کا انتقال ہو گیا، ان کی والدہ انھیں اور ان کی چھوٹی بہن کو لے کر قاہرہ آ گئیں جہاں ان کے بھائی محمد آفندی انجینئر تھے۔ محمد آفندی کی مالی حالت اس قابل نہیں تھی کہ اپنے کنبے کے ساتھ ان تین افراد کی باقاعدہ پرورش کر سکیں، جس کے نتیجہ میں تمام افراد ایک طرح کی مالی پریشانی اور معاشی الجھن کا شکار تھے۔

حافظ کی تعلیم کا آغاز قاہرہ ہی کے ایک مکتب میں ہوا، مکتب سے نکلنے کے بعد مختلف اسکولوں میں تعلیم پائی۔ جب مدرسہ خدیویہ میں زیرِ تعلیم تھے تو ان کے ماموں کا تبادلہ ہو گیا اور وہ طنطا چلے آئے۔

---

[1] عبد اللطیف شرارہ؛ حافظ ص ۱۸

[2] شوقی ضیف: الادب العربی المعاصر فی مصر ص ۱۰۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طنطا میں حافظ نے جامع احمدی میں تعلیم شروع کی، یہاں پر جامع ازہر کے طرز سے تعلیم دی جاتی تھی۔ حافظ اسباق میں پابندی کے ساتھ شرکت کے بجائے وقتاً فوقتاً حاضر ہوا کرتے تھے شعر و ادب سے حافظ کی دلچسپی کا آغاز اسی زمانے میں ہوا تھا۔ جامع احمدی کے طلبہ کے ساتھ مل کر وہ شعر خوانی کرتے تھے اور مختلف قدیم وجدید شعراء کے عمدہ اشعار و حالات زندگی ان کی گفتگو کا موضوع بنتے تھے۔

مدارس کے مخصوص ماحول سے ہٹ کر جب حافظ کی نظر گرد و پیش پر پڑی تو انھیں اپنی بے بسی و کم مائگی کا شدید احساس شروع ہو گیا جو برابر بڑھتا رہا۔ زمانے کی تلخیوں کے اس شدید احساس سے مجبور ہو کر حافظ یہاں تک کہہ بیٹھے کہ:۔

فللموت خیر من حیاة أری بها ذلیلا وکنت السید المفضلا

(یعنی صاحب فضل و سیادت ہوتے ہوئے اگر میں ذلیل سمجھا جاؤں تو ایسی زندگی سے موت بہتر ہے)

تلخئ روزگار کا یہ شکوہ اور نامساعد حالات میں زندگی سے بیزاری ظاہر ہے۔ ایک شاعرانہ جذبہ تھا اس سے حالات کے اصلاح کی توقع بے سود تھی، اس لئے حافظ نے اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کیلئے کچھ تگ و دو کی ٹھانی اور اپنے ماموں کا گھر چھوڑ کر روانہ ہوتے ہوئے یہ دو شعر لکھ کر رکھ گئے۔

ثقلت علیک مؤنتی إنی أراها واهیه

فافرح فانی ذاهب متوجه فی داهیه

(یعنی میری معمولی کفالت آپ کے لئے بوجھ تھی۔ اب میں جا رہا ہوں آپ خوش ہو جائیے)

ماموں کے گھر سے نکلنے کے بعد حافظ نے پیشۂ وکالت اختیار کرنے کا ارادہ کیا۔ مصر میں اس وقت اس پیشے کے لئے کوئی خاص شرط یا پابندی نہیں تھی، جو شخص بھی چاہتا تھوڑے سے تجربے کے بعد یہ کام شروع کر دیتا۔ تجربہ کی اسی منزل سے گذرنے کے لئے حافظ نے طنطا کے ایک وکیل محمد الشیمی کے یہاں وکالت کی مشق شروع کر دی، لیکن یہاں پر حافظ کو وہ سکون نہ مل سکا جس کے وہ متلاشی تھے، اس لئے یہاں سے علیحدہ ہونے کے بعد وہ مختلف وکیلوں کے یہاں منتقل ہوتے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رہے اور کہیں بھی انھیں اطمینان نہیں ملا۔ حافظ بچپن میں چونکہ باپ کے پیار سے محروم ہوگئے تھے اس لئے ان کی خواہش تھی کہ کہیں سے انھیں اسی طرح کے پیار و محبت کا سہارا ملے اور جن لوگوں کے ساتھ بھی وہ کام کریں ان کا برتاؤ بیٹے کے ساتھ باپ کے برتاؤ جیسا ہو۔ لیکن سوء اتفاق سے ایسا نہ ہوسکا اور حافظ کو زندگی میں مایوسی و ناکامی کا شدید احساس رہا۔ وہ ہمیشہ غمہائے روزگار کا صدمہ اٹھاتے اور کراہتے رہے۔

ناخوشگوار حالات میں مصائب سے دوچار ہونیکے باوجود حافظ کا حوصلہ ہمیشہ بلند رہا اور وہ ترقی و کامیابی کے لئے کوشاں رہے۔ عالی ہمتی کے اسی رجحان کی بنا پر وہ وکالت کو پیشہ کی حیثیت سے زیادہ عرصہ تک سنبھال نہ سکے۔ کیونکہ اس میں غیر معمولی صبر اور خود کو پیچیدہ مسائل میں اُلجھانے کی ضرورت تھی اور حافظ اس سے فطرتاً بیزار تھے۔ اب انھیں لگن صرف اس بات کی تھی کہ شاعری کے ذریعہ انھیں معاشرہ میں نمایاں مقام حاصل ہوجائے، اسی لئے انھوں نے اخیر میں محمود سامی البارودی کو جن کی شاعری اسوقت بے پایاں مقبول تھی اپنا استاد و پیشرو مانتے ہوئے ملٹری کالج میں داخلہ لے لیا۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ بارودی کی طرح ایک سپاہی و شاعر بن کر معاشرے میں نمایاں مقام حاصل کریں۔[۱۰]

بارودی اور ان کے فن کو جن حالات میں عروج حاصل ہوا تھا وہ اب باقی نہیں تھے، اس لئے حافظ کو اپنے مقصد میں کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ کالج میں آنے کے بعد ان کے ماحول میں کچھ تبدیلی تو ضرور ہوگئی لیکن اصل مقصد ہاتھ نہ آیا۔ یہاں آکر حافظ کو ملکی صورتحال سے اچھی طرح واقفیت ہوگئی اور وہ اپنے اندر ایک طرح کی بیداری محسوس کرنے لگے جس کے اثرات فوجی امور کے بجائے ان کی شاعری اور نثر میں نمایاں ہوئے، اب حافظ ایک سماجی مصلح اور قومی ادیب کی حیثیت سے سامنے آئے۔ قومیت نے انھیں پوری طرح متاثر اور اپنا گرویدہ بنالیا تھا، واقعات پر ان کی نظر تھی اور انھیں اپنے اشعار میں قلمبند کرنا ان کا مقصد۔

---

۱۰ الادب العربی المعاصر فی مصر ص ۱۰۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ملیٹری کالج میں حافظ نے جو کچھ سیکھا اور دیکھا تھا، اور اس ماحول میں ان کے احساس و شعور کے اندر جو تبدیلیاں پیدا ہوئی تھیں انھیں وہ برملا بیان نہیں کر سکتے تھے کیوں کر ان کی طبیعت اس کے لئے موزوں نہ تھی۔ اور دوسری طرف مصر کے حالات اس کی اجازت نہیں دے رہے تھے۔ حافظ کو اپنی معاشی حالت کے سدھار کے لئے ملازمت کی ضرورت تھی جو خاموش رہنے کے بعد ہی حاصل ہو سکتی تھی۔ کالج سے فراغت کے بعد حافظ تین سال تک وہیں ملازم رہے، اس کے بعد انھیں وزارتِ داخلہ میں پولیس آفیسر بنا دیا گیا۔ یہاں پر حافظ اپنی ذمہ داریوں کو بخوبی انجام نہ دے سکے۔ جس کے نتیجہ میں انھیں دوبارہ ملیٹری کالج واپس آنا پڑا اور یہیں سے انھیں پنشن مل گئی۔

اسی دوران سوڈان میں بغاوت رونما ہوئی اور انگریزی اقتدار کو خطرہ لاحق ہو گیا، مصر سے سوڈان کو جو فوج بھیجی گئی اس میں حافظ بھی شریک تھے، اولاً انھیں فوجی آفیسر بنایا گیا پھر رسد کی نگراں ٹولی میں شامل کر دیئے گئے۔

حافظ زندگی کے اس تجربے سے مزید بیزار ہو گئے اور انگریزوں کے خلاف ان کا غصہ بڑھ گیا لیکن وہ مجبوراً خاموش تھے۔ سوڈان میں ان کے لئے کوئی دلچسپی نہیں تھی اور وہ قاہرہ واپس آنا چاہتے تھے یہاں سے اپنے دوستوں کے نام جو خطوط انھوں نے بھیجے ان سے ان کی بیزاری و دل برداشتگی کا اندازہ ہوتا ہے۔ لیالی سطیح کے نام سے ان کے مضامین کا مجموعہ اسی دور کی یادگار ہے۔ اس مجموعے میں حافظ نے اپنے تاثرات کا اظہار کیا ہے اور عربی نثر کی مخصوص صنف مقامات کے رنگ میں مصری عوام کی پریشانی و بدحالی کا تذکرہ کیا ہے۔ ان مضامین میں وہ اپنے استاذ و مرشد شیخ محمد عبدہ سے سیاسی و اصلاحی نظریات میں صاف طور پر متاثر نظر آتے ہیں[۵]

انگریزوں کو سب سے بڑا خطرہ یہ تھا کہ مصری و سوڈانی عوام اگر متحد ہو گئے تو پھر انھیں دونوں ملکوں سے ہٹنا پڑے گا۔ اسی اندیشہ کے ماتحت سوڈان میں فوجیوں پر نگرانی سخت کر دی گئی اور بغاوت کے ڈر سے فوج کو نہتا کر دیا گیا، اس کے بعد احتیاطی طور پر ان تمام لوگوں کو فوج سے علیحدہ کر دیا گیا جن کے

---

[۵] عمر الدسوقی: فی الادب الحدیث ج ۲ ص ۱۰۴۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ذہن میں آزادی کا کوئی تصور اور قومیت کا کچھ شعور موجود تھا۔ حافظ بھی انھی لوگوں میں تھے ۱۹۱۱ء میں جب انھیں معطل کیا گیا تو پھر ایک مرتبہ انھیں ملازمت تلاش کرنی پڑی۔ شاعری کے سہارے حافظ کو یہ امید تھی کہ دوسرے مشہور شعراء کی طرح انھیں بھی قبول عام حاصل ہوگا۔ اور لوگ ان کو انعام و اکرام سے نوازیں گے۔

حافظ کے ذہن میں جب یہ خیال آیا تو انھوں نے شوقی کے تتبع میں خدیوی کا قرب حاصل کرنا شروع کیا، دوسرے اصحاب ثروت و اقتدار سے بھی ان کے تعلقات استوار ہو گئے اور ان کے توسط سے مقصد کے حصول میں کامیابی ہوئی۔ فوج سے علیحدگی کے بعد حافظ تقریباً آٹھ سال تک کسی ملازمت سے وابستہ نہیں ہوئے پھر اس کے بعد مصری لائبریری میں انھیں ادبی شعبہ کا انچارج مقرر کیا گیا جہاں پر وہ بیس سال خدمت انجام دیتے رہے۔

حافظ کی شاعری بارودی کے ہاتھوں جدید عربی شاعری کی ترقی کا جو آغاز ہوا اسے کمال تک پہونچانے میں جن شعراء نے اہم کردار ادا کیا ان میں حافظ کی حیثیت نمایاں ہے۔ ڈاکٹر طٰہٰ حسین کے بقول حافظ شوقی اور مطران کے ساتھ جدید دور کے تین مشاہیر شعراء میں شمار کئے جاتے ہیں[1]۔

حافظ کی ادبی شخصیت کا ایک اہم عنصر یہ ہے کہ مصری خون کے نتیجہ میں ان کے اندر مصری مزاج و روح کا پتہ چلتا ہے، قومی شعور اور مزاحیانہ طبیعت میں حافظ مصریوں کی صحیح تصویر پیش کرتے ہیں۔ آج بھی مصر کے اخبارات اور وہاں کی محفلوں میں حافظ کی زندہ دلی، مزاحیانہ ذوق اور کشادہ روئی کا تذکرہ ہوتا ہے

دوسرا عنصر یہ ہے کہ حافظ نے قدیم عربی ادب کا گہرا مطالعہ کیا تھا اور شاعری میں بارودی کے مقام تک پہونچنے کے لئے کوشاں تھے، اسی لئے ملیٹری کالج میں بھی داخلہ لیا تھا تاکہ بارودی کے ساتھ مشابہت مکمل ہو جائے۔ حافظ نے بارودی کے تتبع کی پوری کوشش کی اور اس میں بڑی حد تک کامیاب بھی ہوئے لیکن چونکہ بارودی نے قدیم عربی شاعری کا مطالعہ زیادہ گہرے اور منظم طور پر کیا تھا اس لئے حافظ اس مقام تک نہ پہونچ سکے۔ اسی طرح بارودی کا تعلق دوسری زبان کے ادب سے بھی تھا لیکن حافظ میں یہ خصوصیت موجود نہیں تھی، وہ تھوڑی بہت فرانسیسی زبان ضرور جانتے تھے لیکن اس سے انھیں فرانسیسی ادب کے مطالعہ

---

[1] طٰہٰ حسین، حافظ و شوقی ص ۱۰۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں کوئی مدد نہیں مل سکی۔ بارودی کے علاوہ شوقی و مطران کے مقابلہ میں حافظ کا ثقافتی مقام کم تھا، ان کی شاعری کا جو رنگ و روپ ہمارے سامنے ہے وہ ان کی شاعرانہ طبیعت کی دین ہے۔ تعلیم و مطالعہ کی نہیں۔

حافظ کی ادبی شخصیت کا تیسرا عنصر مصر کا سماجی ماحول ہے جس میں حافظ نے پرورش پائی اور شاعری کا آغاز کیا۔ ایک متوسط طبقہ سے تعلق رکھنے کی وجہ سے مصری عوام کے درد و غم اور حرماں نصیبی سے حافظ پوری طرح واقف تھے، دوسری طرف مصر کے ممتاز طبقہ سے ان کا تعلق تھا جس کا امتیاز اس کی اپنی کوشش و کاوش کا نتیجہ تھا، یہ طبقہ بھی اپنے اعلیٰ معیار زندگی کے باوجود عوام کے مصائب اور دکھ درد میں پوری طرح شریک اور ان کی سیاسی، سماجی اور ثقافتی مشکلات دور کرنے کے لئے کوشاں تھا۔ دونوں طبقوں کے ساتھ کسی نہ کسی نوعیت کے اختلاط و تعلق کی وجہ سے حافظ کی شاعری میں خالص مصری رنگ پیدا ہوگیا تھا اور وہ سچے "مصری شاعر" بن گئے تھے [1] فنی لحاظ سے بھی ان کی شاعری مرکز توجہ تھی طٰہٰ حسین نے لکھا ہے کہ ان کے کلام میں ایسے اشعار و قصائد موجود ہیں جن کی تاثیر و جاذبیت کو فراموش کرنا ممکن نہیں [2] شوقی کے تتبع میں حافظ نے جب با اثر لوگوں سے رابطہ بڑھایا تو ان کی شاعری واقعات کے دوش بدوش چل رہی تھی، ہر سیاسی و سماجی مناسبت پر کوئی نہ کوئی قصیدہ اور ہر بڑے آدمی کی موت پر کوئی نہ کوئی مرثیہ ضرور سامنے آجاتا تھا۔ مصر کی سیاسی پارٹیوں میں "الحزب الوطنی" اور "حزب الامۃ" کی وجہ سے سیاسی مباحثات و مقالات بکثرت وجود میں آئے، ادباء مصری قوم کے سماجی عیوب کے خلاف مضامین لکھتے تھے، اس میدان میں شعراء بھی ان کے ساتھ تھے، جدید عربی ادب کی تاریخ میں سیاسی و سماجی اشعار کا ایک معتدبہ حصہ اسی دور کی پیداوار ہے۔ حافظ کو اس باب میں دوسرے شعراء پر فوقیت حاصل ہے حتیٰ کہ وہ شوقی و بارودی سے بھی آگے ہیں۔ شوقی قصر شاہی سے متعلق ہونے کی وجہ سے عوام اور ان کے ہمدرد مصلحین سے ہمیشہ دور رہے اور ان کی شاعری میں عوام کے جذبات کی ترجمانی کا حصہ کم رہا۔

بارودی اگرچہ سیاسی انقلابی تحریک میں عرابی کے ساتھ تھے لیکن چونکہ ان کے دور میں تعلیم یافتہ لوگوں کی تعداد کم تھی، اخبارات و رسائل کو زیادہ رواج حاصل نہیں تھا اور خود بارودی کی نشو و نما

---

[1] الادب العربی المعاصر فی مصر ص ۱۰۵

[2] حافظ و شوقی ص ۱۰۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مالدار گھرانے میں ہوئی تھی اس لئے یہ بھی عوام سے زیادہ قریب نہ ہو سکے، عوام کے مقابلہ میں اپنی ذات کا احساس ان کے اندر زیادہ تھا بلکہ اگر ہم یہ کہیں تو مبالغہ نہ ہوگا کہ بارودی کی سیاسی شاعری میں بھی ان کی ذات اور مصر پر حکومت کی خواہش کا اظہار عوام کے جذبۂ آزادی کی ترجمانی پر غالب ہے۔

بارودی کی شاعری کے اولین مخاطب عوام نہیں تھے، لیکن حافظ کی نظر صرف عوام پر تھی اور اسی لئے ان کے اشعار بھی عوام کے ذہن سے قریب اور ان کے لئے قابلِ فہم ہیں۔ حافظ کو اسی بنا پر اپنے دور کا سچا ترجمان مانا جاتا ہے، یہ اپنے اشعار کے ذریعہ اس دور کے ادباء و مفکرین کے افکار و خیالات اور ان کے اسلوب کو ہمارے سامنے پیش کر دیتے ہیں۔ طٰہٰ حسین لکھتے ہیں کہ حافظ کی شخصیت کا ایک امتیاز یہ تھا کہ انھوں نے عوام سے اپنا قوی ترین رابطہ قائم کر رکھا تھا اور ان کے احساسات و رجحانات اور جذبات و خواہشات سے کلی طور پر ہم آہنگ تھے[۵]

حافظ کی شاعری میں مذہبی عنصر بھی شامل ہے، ان کے دیوان میں شیخ محمد عبدہ کی مدح اور ان کے مرثیہ سے متعلق اشعار میں ان کی دینی اصلاح و دعوت کا ذکر آیا ہے۔ ان کا ایک قصیدہ جس میں خلیفۂ راشد حضرت عمر بن الخطاب کی سیاست و تدبر اور ان کے کارناموں کا تذکرہ ہے قصیدۂ عمریہ کے عنوان سے مشہور ہے۔ اسی طرح ان کے بہت سے اشعار میں خلافت عثمانیہ کا ذکر بھی ہے جس سے ایک وقت میں مسلمانوں کو بہت زیادہ امیدیں اور غیر معمولی تعلق تھا، مکہ مکرمہ اگر قلبِ اسلام تھا تو خلافت اس کی محافظ۔

اس طرح حافظ و شوقی دونوں نے جدید عربی شاعری میں جمہور کے دینی، سیاسی اور اجتماعی رجحانات کی ترجمانی کی طرح ڈالی اور آج بھی عربی شاعری کی یہ خصوصیت موجود ہے، شعراء قومی و ملی جذبات کی ترجمانی کو اپنی شاعری کا ایک اہم فرض سمجھتے ہیں[۶]

۵؎ حافظ و شوقی ص ۱۵۴

۶؎ فی الادب الحدیث ج ۲ ص ۲۹۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فوج سے علیحدگی اور مصری لائبریری میں آنے کی درمیانی آٹھ سالہ مدت میں حافظ برطانوی سامراج کی مخالفت میں عوام کے دوش بدوش رہے اور انھیں حالات کے مطالعہ سے یہ اندازہ ہوا کہ قوم کو علم و اخلاق سے آراستہ ہونا ضروری ہے۔ اب حافظ کی شاعری میں سیاسی رنگ کے ساتھ ساتھ سماجی رنگ بھی آگیا اور وہ عوام کو ترقی کے لئے باقاعدہ طور پر آمادہ کرنے لگے، مختلف واقعات نے حافظ کے اس قومی شعور کو مزید ترقی دی اور ان کا یہ انداز شاعری میں نمایاں طور پر محسوس ہونے لگا۔

۱۹۰۶ء میں "دنشوای" کا المناک واقعہ پیش آیا جس میں پانچ انگریز شکاریوں میں سے ایک شخص کی جان ضائع ہونے پر انگریز حاکم نے گاؤں کے چار افراد کو پھانسی، آٹھ کو مختلف مدتوں کے لئے سزائے قید اور سات افراد کو زدو کوب کا فیصلہ صادر کیا، یہ تمام سزائیں منظرِ عام پر نافذ کی گئیں۔ انگریزوں کا یہ رویّہ چوں کہ انتہائی ظالمانہ تھا اس لئے مصر کے تمام اخبارات و رسائل اور عام مجلسوں میں اس وحشیانہ برتاؤ کا تذکرہ ہونے لگا اور عوام نے مختلف طور سے اپنے غم و غصہ کا اظہار کیا۔

حافظ نے بھی اس موقعہ پر اپنا مشہور دالیہ قصیدہ لکھا اور اس کے بعد مختلف دوسرے قصائد میں بھی اپنے دردمندانہ جذبات اور انگریزوں کے خلاف نفرت کا اظہار کیا۔ دالیہ قصیدہ میں ایک جگہ کہتے ہیں لہ

ایها القائمون بالأمر فینا ۔۔۔ هل نسیتم ولاءنا والودادا

خفضوا جیشکم وناموا هنیئا ۔۔۔ وابتغوا صیدکم وجوبوا البلادا

واذا اعوزتکم ذات طوق ۔۔۔ بین تلك الربی فصیدوا العبادا

انما نحن والحمام سواء ۔۔۔ لم تغادر اطواقنا الاجیادا

(ہمارے حکام! کیا تم ہماری دوستی و محبت کو بھول گئے؟ اپنی فوج کو کم کر کے مزے سے سو رہو، شکار کھیلو اور سیر و تفریح کرو۔ اگر ان بالائی حصوں میں فاختہ نہ مل سکے تو انسانوں کا شکار کرو۔ ہم میں اور فاختہ میں کوئی فرق نہیں، ہماری گردن سے بھی غلامی کے طوق جدا نہیں ہوئے ہیں۔)

لہ الادب العربی المعاصر فی مصر ص ۱۰۸، فی الادب الحدیث ج ۲ ص ۱۰۷۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حافظ نے پورے قصیدے میں اسی طرح استہزاء و تمسخر کا انداز اختیار کر کے مصری عوام کے رنج والم اور انگریزوں کے ظلم و بربریت کا نقشہ کھینچا ہے۔ قصیدے میں ایک چیز قابلِ غور یہ ہے کہ حافظ مصریوں کی محبت کا تذکرہ کرتے ہوئے خود اپنے نقطۂ نظر کی نہیں بلکہ اس ممتاز طبقے کی ترجمانی کر رہے ہیں جو مصریوں کا ہمدرد ہوتے ہوئے بھی انگریز دشمنی میں احتیاط و موقع شناسی کا قائل تھا، حافظ بھی جب انگریزوں کے خلاف اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہیں تو اس میں مبالغہ سے کام نہیں لیتے بلکہ احتیاط اور نرمی سے بات کہتے ہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان پر بھی کوئی آنچ آجائے۔ مگر اس دور کے دوسرے شعراء حافظ سے بھی زیادہ خاموش اور محتاط نظر آتے ہیں اور ان کے کلام میں بھی عوام کے رنج والم کی کھلی ترجمانی کا کوئی خاص حصہ نظر نہیں آتا۔ حافظ نے دوسرے شعراء کے مقابلہ میں بہت زیادہ شدت و وضاحت سے مصری عوام کی بے حسی اور پژمردگی کو دور کرنے کے لئے کوشش کی اور ان کے اندر حریت و قومیت کا شعور پیدا کرنا چاہا۔ مصریوں کے مخالفانہ جذبات کے پیشِ نظر لارڈ کرومر کو جس کے عہد میں دنشوای کا واقعہ پیش آیا تھا، جب لندن کی حکومت نے مصر سے طلب کر لیا تو اس کی روانگی کے موقع پر حافظ کا یہ قصیدہ منظرِ عام پر آیا[1]:

قتيل الشمس اورثنا حياة ... وا يقظ هاجع القوم الرقودِ

فليت كرومرا قد دام فينا ... يطوق بالسلاسل كل جيد

ويتحف مصر آنا بعد آن ... بمجلود ومقتولٍ شهيد

لننزع هذه الاكفان عنا ... ونبعث فى العوالم من جديد

دھوپ میں مرنے والے نے ہمیں زندگی دی اور سوئی ہوئی قوم کو بیدار کر دیا۔ کاش کرومر ہمارے درمیان موجود رہ کر ہر شخص کو گرفتار و مقید کرتا اور وقتاً فوقتاً مصریوں کے سامنے مقتول و مضروب افراد کا تحفہ پیش کرتا۔ تاکہ ہم (بے حسی کا) اپنا کفن اتار پھینکتے اور دنیا میں از سرِ نو زندہ ہو جاتے)

---

[1] فى الادب الحديث ج ۲ ص ۱۱۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حافظ انتہائی تحکمانہ انداز میں اس خواہش کا اظہار کر رہے ہیں کہ کاش کرومر ہمیشہ مصر میں موجود اور اس پر حکمراں رہتا تاکہ اس کے ظلم و ستم سے تنگ آکر عوام میں بیداری پیدا ہوتی اور وہ انگریزوں کی غلامی کا جوا اپنی گردنوں سے اتار پھینکتے ۔

وطن پرستی و حریت پسندی کے جذبات اور عوام کے ساتھ ہمدردی و دردمندی کا مظاہرہ حافظ کے ان اشعار میں بھی صاف طور پر نظر آتا ہے جنھیں مصطفیٰ کامل کی وفات پر انھوں نے کہا ہے مصریوں کا یہ محبوب لیڈر عین جوانی کے ایام میں وفات پاگیا تھا۔ قوم کو ایسے لیڈر کی خدمات کی بیحد ضرورت تھی اس لئے اس کی موت سے لوگوں کو زبردست صدمہ پہونچا، حافظ نے اس المناک واقعہ پر اپنے اور اپنی قوم کے جذبات کی بڑی پرسوز اور دردمندانہ تصویر پیش کی ہے اور عوامی شاعری کا خوبصورت نمونہ سامنے رکھا ہے۔ ان کے فنی کمال نے سیاسی شاعری کو ایک خطیبانہ انداز عطا کیا ہے جس سے اشعار میں تاثیر کی بے پناہ قوت پیدا ہوگئی ہے[1] کہتے ہیں۔

تسعون الفا حول نعشک خشع　　یمشون تحت لوائک السیار

خطوا بادمعہم علی وجہ الثری　　للحزن اسطارا علی اسطار

آنا یوافون الضجیج کانہم　　رکب الحجیج بکعبۃ الزوار

وتخالہم آنا لفرط خشوعہم　　عند المصلی ینصتون لقاری

غلب الخشوع علیہم فدموعہم　　تجری بلا کلح ولا استنثار

(نوے ہزار افراد جنازے میں آپ کے متحرک جھنڈے تلے چل رہے ہیں۔ انھوں نے اپنے آنسوؤں سے زمین پر حزن و ملال کی سطریں تحریر کردی ہیں۔ کبھی وہ قافلۂ حجاج کی طرح چیخ پڑتے ہیں اور کبھی فرطِ خشوع سے نمازیوں کی طرح خاموش ہوکر قراءت سنتے ہیں۔ خشوع کی وجہ سے ان کے آنسو تیزی کے ساتھ بہہ رہے ہیں۔)

قوم کے اندر جوش و جذبہ پیدا کرنے کا یہ اسلوب اور وطن پرستی کے عناصر حافظ کی شاعری میں

---

[1] حافظ وشوقی ص ۱۶۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۹۱۱ء تک نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔ اسی سال وزیر تعلیم احمد حشمت نے حافظ کو دارالکتب المصریۃ کے ادبی شعبہ کا انچارج مقرر کردیا، اب حافظ اس نئے منصب کے پابند ہو گئے اور ان کی شاعری میں نمایاں تبدیلی ہو گئی۔ اولاً تو انھوں نے شعر کہنا کم کر دیا، اور دوسری بات یہ ہوئی کہ ان کی شاعری میں قومی پہلو اور انگریزوں کے خلاف نفرت و بغاوت کے جذبات مفقود ہو گئے۔ اب حافظ کی نظر میں اولین اہمیت اپنے منصب کی تھی قومی مفاد کی نہیں، وہ کسی طرح کے انقلابی یا باغیانہ جذبات کا اظہار کرکے اپنی ملازمت کو خیرباد کہنے کے لئے تیار نہیں تھے[1] حافظ کی شاعری میں واقع ہونیوالی یہ تبدیلی صرف ایک مثال سے بخوبی واضح ہو جائیگی۔

دنشوای کا واقعہ لارڈ کرومر کے عہدِ حکومت میں ہوا تھا، اس وقت حافظ کسی ملازمت سے وابستہ نہیں تھے تو ہم نے دیکھا کہ ان پر اور ان کی شاعری پر اس واقعہ کا انتہائی گہرا اثر ہوا اور انھوں نے مختلف انداز سے انگریزوں کے ظلم و ستم اور عوام کی مظلومیت و دردمندی کی داستان دہرائی۔ پھر مصر پر برطانوی انتداب کا اعلان ہونے کے بعد ۱۹۱۵ء میں سر میکموہن مصر کے گورنر بن کر آئے تو یہ حافظ کی ملازمت کا زمانہ تھا، انھوں نے اس موقع پر جو اشعار کہے ان میں نہ تو کسی طرح کا قومی فخر ہے نہ جذبۂ وطن پرستی، حافظ کی طبیعت کا یہ شعلہ احتیاج و مصلحت اندیشی کی ٹھنڈک سے بجھ چکا تھا اور وہ صرف رسمی شاعر رہ گئے تھے۔

انتم اطباء الشعو ..... ب وانبل الاقوام غایہ
انی حللتم فی البلا ..... دِ لکم من الاصلاح آیہ
رفعت بنایۃ مجدکم فوق الروایۃ والدرایہ
وعدلتم فملکتم الـ دنیا وفی العدل الکفایہ

یہ چند اشعار ہی اس بات کی کھلی دلیل ہیں کہ اب حافظ وہ وطن پرست اور حریت پسند شاعر نہیں تھے جس کے نغموں سے قوم کے خون میں گرمی اور جذبات میں اشتعال پیدا ہوتا تھا، بلکہ اب وہ ایک سیدھے سیدھے

[1] شوقی ضیف :- دراسات فی الشعر العربی المعاصر ص ۲۰۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ملازم تھے جن کے سامنے سب سے اہم مسئلہ اپنی ملازمت اور تنخواہ کا تحفظ تھا، ڈاکٹر شوقی ضیف نے لکھا ہے کہ خدا احتیاج و مصلحت کا بُرا کرے جو شاعر کو قوم سے جدا کرکے غاصب و دشمنوں کی مخالفت میں دوش بدوش چلنے والے اس قافلہ میں تفریق پیدا کردیتی ہے۔

۱۹۱۹ء کے قومی انقلاب کے موقع پر انگریزوں کا ظلم و ستم بےحد بڑھ گیا تھا اور عوام کے دلوں میں ان کے خلاف نفرت و غصہ کے جذبات انتہائی شدید ہو گئے تھے، مصر کی خواتین نے اس دوران انگریزوں کے خلاف مختلف مظاہرے کئے، حافظ نے ان واقعات کو رنج و غم کی نظر سے ضرور دیکھا اور ان کے اندر وطن پرستی کے جذبات یقیناً بھڑکے لیکن اب بھی وہ مجبور تھے اور اپنے مافی الضمیر کو برملا اشعار کے قالب میں ڈھال نہیں سکتے تھے، انھوں نے ایک طویل قصیدہ فرضی نام سے شائع کیا جسے قومی منشورات کے ضمن میں عوام کے اندر تقسیم کیا گیا اور پھر ۱۹۲۹ء میں حافظ کے نام سے شائع ہوا[۱]، اس قصیدہ کے چند اشعار یہ ہیں۔

خرج الغوانی یحتججـــــن ورحت أرقب جمعهنه

فاذا بهن تخذن من   سود الثیاب شعارهنه

فطلعن مثل کواکب   یسطعن فی وسط الدجنه

یمشین فی کنف الوقا   ر وقد ابنَّ شعورهنه

واذا بجیش مقبل   والخیل مطلقة الاعنه

واذا الجنود سیوفها   قد صوبت لنحورهنه

(عورتیں احتجاج میں نکل پڑیں، میں ان کی جماعت کو دیکھ رہا ہوں۔ انھوں نے سیاہ لباس بطور شعار پہن رکھا ہے جس سے تاریکی میں ستاروں کی مانند نظر آرہی ہیں۔ اپنے بال کھولے ہوئے وقار کے ساتھ چل رہی ہیں۔ اچانک گھوڑوں پر سوار فوج آئی، سپاہیوں نے اپنی تلواریں عورتوں کی جانب سیدھی کرلی ہیں۔) ــــــــ اس پُرجوش قصیدے میں حافظ نے استہزاء

---

[۱] فی الادب الحدیث ج ۲ ص ۱۱۴۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وتحکم کے انداز میں مصریوں کے اندر جذبۂ انقلاب پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔

پھر جب سعد زغلول اور دوسرے مصری انقلابیوں کے سامنے انگریزوں نے سر جھکا دیا تو اس وقت حافظ کی جرأت وبیباکی عود کرتی ہوئی نظر آنے لگی اور انھوں نے اپنا قدیم انداز اپنانا شروع کر دیا مگر پھر بھی ایک عرصہ تک احتیاط واندیشے کے موقف پر قائم رہے۔

فروری ۱۹۲۲ء میں مصر پر برطانوی انتداب کے خاتمہ کا اعلان ہوا اور مصر کو آزاد وخود مختار حکومت تسلیم کر لیا گیا۔ لیکن اس اعلان سے سعد زغلول اور دوسرے مصری لوگ مطمئن نہیں ہوئے اور ایسا محسوس ہونے لگا کہ قوم کے اندر باہمی اختلاف پیدا ہو جائے گا۔ حافظ نے اس موقع پر جو قصیدہ نظم کیا اس میں قوم کے مختلف رجحانات کا تذکرہ ضرور کیا لیکن کھلے طور پر سعد زغلول کے موقف کی حمایت نہیں کی۔

مصر میں جب دو مختلف سیاسی پارٹیاں سعد زغلول اور عدلی یکن کی سربراہی میں وجود میں آئیں تو اس موقع پر بھی حافظ غیر جانبدار رہے اور کسی ایک پارٹی کا ساتھ نہیں دیا، اس رویے میں بھی شاید ملازمت کے تحفظ ہی کا خیال کارفرما تھا۔

۱۹۳۲ء میں حافظ اپنی ملازمت سے سبکدوش ہوئے، یہ اسماعیل صدقی کی حکومت کا دور تھا جو عوام کے حق میں ظالم اور انگریزوں کا خوشامدی تھا۔ حافظ اب ملازمت کی قید سے آزاد تھے قوم پر ظلم وستم کو دیکھ کر ان کا جذبۂ انقلاب ایک بار پھر بھڑک اٹھا اور انھوں نے صدقی کی ظالم حکومت اور انگریزوں کے ساتھ اس کے ساز باز کے خلاف متعدد پرجوش قصیدے لکھے[۱] ایک طویل ہمیہ قصیدے میں صدقی کے ظلم وستم اور انگریزوں کے ناپاک عزائم کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ اس قصیدے کے اشعار کی تعداد ڈیڑھ سو سے زاید ہے۔ ایک شعر میں کھل کر صدقی کو یوں خطاب کرتے ہیں

یا آلة القاسطین دمیة فی قبضتیها النقض والابرام

اس قصیدے کو پڑھ کر یہ محسوس ہوتا ہے کہ اب حافظ اپنے پرانے قومی رجحان اور جذبۂ جوش والے

---

[۱] فی الادب الحدیث ج ۲ ص ۱۱۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

موقف پر واپس آرہے ہیں اور پھر اسی ساز کو چھیڑنا چاہتے ہیں جسے ملازمت کی مصلحت نے خاموش کردیا تھا، لیکن افسوس یہاں پہونچکر ان کی موت کا پروانہ آگیا اور مصر ایک قوم پرست وحریت پسند شاعر سے محروم ہوگیا۔

شوقی ضیف نے لکھا ہے کہ صدقی پاشا کی وزارت کے دور میں ملازمت سے علیحدگی کے بعد بھی حافظ نے قومی وانقلابی نظمیں لکھیں لیکن قید وبند کے خوف سے انھیں نشر نہیں کیا۔ ان کا موجودہ دیوان اس دور کی ان کی بہت سی سیاسی وانقلابی نظموں سے خالی ہے [۱]۔

ظرافت: حافظ کی زندگی کا ایک اہم پہلو ظرافت ہے، نجی مجلسوں میں دوستوں کے ساتھ ان کے ظریفانہ نکتے ذہن کی بیداری اور طبیعت کی برجستگی کا پتہ دیتے ہیں۔ عبداللطیف شرارہ ناقل ہیں کہ حافظ ہمیشہ ایک ہی سوٹ پہنا کرتے تھے، ایک مرتبہ ان کے ایک دوست نے پوچھا کہ اس سوٹ کو بدل کیوں نہیں ڈالتے؟ حافظ نے برجستہ جواب دیا کہ اس میں اللہ کی دو صفتیں موجود ہیں اس لئے میں اسے بدلنا نہیں چاہتا، ایک قدامت دوسری وحدت، مقصد یہ تھا کہ میرے پاس اس پرانے سوٹ کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں ہے [۲]۔

سوڈانی شاعر امام العبد حافظ کے ملنے والوں میں تھے، ایک مرتبہ وہ بیٹھے ہوئے کچھ لکھ رہے تھے کہ سیاہ روشنائی کا ایک قطرہ کاغذ پر ٹپک گیا، امام نے اس کی طرف توجہ نہیں دی، حافظ موجود تھے بولے اپنا پسینہ خشک کرلو۔

حافظ کی اسی ظریفانہ طبیعت کا کمال تھا کہ انھوں نے صبرآزما مرحلوں کو ہنسی خوشی جھیل لیا اور ان کی پیشانی پر شکن تک نہیں آئی، اسی سے انھیں عوام میں مقبولیت حاصل تھی۔ حافظ کے اس رجحان سے مصری ذوقِ ظرافت کی تعبیر ہوتی ہے اور وہاں کے عوام کی نفسیات کا صحیح اندازہ ہوتا ہے۔

---

[۱] الادب العربی المعاصر فی مصر ص ۱۰۳۔
[۲] حافظ ص ۸۴۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انسانیت کا درد | طبیعت کی ظرافت کے باوجود حافظ کے دل میں ایک درد تھا، اور وہ ذاتی نہیں بلکہ ملت و وطن اور پوری انسانیت کا درد تھا۔ شیخ محمد عبدہ کی صحبت سے ان کے دل میں اخلاق فاضلہ اور اصول عالیہ سے محبت پیدا ہو گئی تھی، تلاشِ حق کی راہ کے مصائب کو خندہ پیشانی سے برداشت کرنے کا جذبہ پیدا ہو گیا تھا اور پوری انسانیت کے لئے ہمدردی کا خیال رہتا تھا۔ طٰہٰ حسین نے حافظ کی انسانیت دوستی کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حافظ پر خدا کی رحمت نازل ہو، ان کی زندگی صرف کسی ایک فرد یا مصر یا مشرق کی زندگی نہیں تھی بلکہ اس کے اندر ہمیں پوری انسانیت کی زندگی کا عکس نظر آتا ہے۔ انسانیت کا احساس ان کا احساس، انسانیت کا دکھ ان کا دکھ اور انسانیت کی خوشی ان کی خوشی معلوم ہوتی ہے۔ ان کی عقل و زبان انسانیت کی ترجمان تھی۔ اس دور کے شعراء میں مجھے حافظ کے علاوہ کوئی دوسرا شاعر ایسا نظر نہیں آتا جس کی ذات خود اس کی اور اس کے عوام کی صاف اور سچی ترجمانی کرتی ہو[۱]۔ اپنے ایک قصیدے میں یورپ اور اس کی تہذیب کے بارے میں اظہار رائے کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

لا هم ان الغرب اصبح شعلة — من هولها ام الصواعق تفرق

العلم يذكى نارها وتثيرها — مدنية خرقاء لا تترفق

ولقد حسبت العلم فينا نعمة — تأسو الضعيف ورحمة تتدفق

فاذا ابنعمته بلاء مرهق — واذا برحمته قضاء مطبق

(الٰہی! مغرب ایک ایسا شعلہ بن گیا ہے جس کے خوف سے خود موت گھبراتی ہے۔ سائنس اس شعلہ کو بھڑکاتی ہے اور بے رحم اندھا تمدن اسے ہوا دیتا ہے۔ میں نے سائنس کو نعمت و رحمت تصور کیا تھا جس سے ضعیفوں کو آرام ملتا ہے۔ لیکن یہ نعمت و رحمت ایک مصیبت اور اٹل فیصلۂ الٰہی بن گئی ہے۔)

آگے لکھتے ہیں۔

ان كان عهد العلم هذا شأنه — فينا فعهد الجاهلية أرفق

(علم کے اثرات اگر ایسے ہی ہوتے ہیں تو پھر عہد جاہلیت ہی زیادہ مہربان ہے۔)

---

[۱] حافظ و شوقی ص ۱۵۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حافظ کی خصوصیت | مختلف اصناف سخن اور شاعری کے رجحانات کا جائزہ لینے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حافظ نے اپنی شاعری میں کچھ نہ کچھ جدت و ندرت پیدا کی تھی اور اسی وجہ سے وہ اپنے ماحول سے ہم آہنگ اور عوام سے قریب ہوئے تھے۔ اگر انھیں کسی دوسری زبان کی شاعری و ادب سے استفادہ کا موقع ملتا تو یقیناً اس جدت میں نکھار پیدا ہوتا۔

غزل، اخوانیات اور خمریات کے جن قدیم اصناف و موضوعات پر حافظ نے جو کچھ لکھا ہے وہ تقلیدی انداز کا کلام ہے لیکن اس میں بھی بندش کی چستی اور ترکیب کا کمال نمایاں ہے۔ حافظ کا فنی کمال مرثیہ میں زیادہ نمایاں ہے، کیوں کہ یہ صنف ان کی غمزدہ طبیعت اور مضطرب و شکوہ سنج مزاج کے مناسب تھی۔

ظ۔ حسین لکھتے ہیں کہ حافظ کی انسانیت دوستی اور بنی نوع انسان کے ساتھ ان کی گہری ہمدردی و محبت ہی کا یہ نتیجہ تھا کہ حوادث و مصائب کا ان پر شدید ردعمل ہوتا تھا اور حسرت و رنج اور سوز و غم کے جذبات بھڑک اٹھتے تھے۔ ان جذبات کی ترجمانی میں حافظ کو کسی مشقت و تکلف کا سامنا نہیں ہوتا تھا، اسی وجہ سے وہ جب خود روتے تھے تو ان کے ساتھ ان کا شعر پڑھنے اور سننے والا ہر شخص روتا تھا کیوں کہ حافظ کے غم میں اسے اپنا غم اور ان کی حسرت میں اپنی حسرت نظر آتی تھی۔

دورِ جدید کے شعراء میں اکثر شعراء اس مقام تک پہونچنے سے قاصر ہیں، ان میں ایسے شعراء ضرور نظر آتے ہیں جو اچھا مرثیہ لکھتے ہیں، مرنیوالے کے اوصاف و محاسن کو نمایاں کرتے ہیں، اس کی جدائی سے پہونچنے والے رنج و غم کی تصویرکشی کرتے ہیں اور مناسب انداز میں ضرب الامثال اور حکیمانہ جملوں کا استعمال کرتے ہیں، لیکن رنج و غم کے پوشیدہ جذبات کو ابھارنے اور آنکھوں کو اشکبار بنا دینے میں انھیں حافظ جیسا کمال حاصل نہیں ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ ان کے دل میں وہ غم نہیں جو حافظ کے دل میں پوشیدہ ہے اور ان کے جذبات کو وہ ٹھیس نہیں پہونچی ہے جس سے حافظ دوچار ہو چکے ہیں۔ حافظ کا مرثیہ ان کے حزن و ملال کا نتیجہ ہوتا ہے جبکہ دوسرے شعراء اپنے حزن و ملال کے ثبوت کے طور پر مرثیہ لکھتے ہیں۔ دونوں کا یا بھی فرق وہی ہے جو حقیقت و تکلف یا آمد و آورد کے مابین ہوتا ہے۔

حافظ جب مصر کی کسی مشہور شخصیت کا مرثیہ لکھتے ہیں تو قوم کی حالت پر اظہار افسوس سے پہلے خود

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اپنی حالت پر آنسو بہاتے ہیں اور اپنے گہرے رنج وغم کا اظہار کرتے ہیں[۱]۔ عوام کے دکھ درد میں شرکت اور اس سے متاثر ہونے کا ہی یہ نتیجہ تھا کہ جب کوئی محبوب عوامی لیڈر یا مصلح موت سے دوچار ہوتا تو اس کا حافظ پر گہرا اثر پڑتا اور وہ عوام کے جذبات کی ترجمانی اور رنج وغم کے اظہار کے لئے نواسنج ہو جاتے۔ حافظ نے شیخ محمد عبدہٗ کی وفات پر جو مرثیہ لکھا ہے اس میں ان کا فنی کمال اور طبعی سوز وگداز بخوبی نمایاں ہے، اصول فن کا پورا لحاظ کرتے ہوئے حافظ نے اس مرثیہ میں اپنے رنج وغم کا اس طرح اظہار کیا ہے کہ اس سے مصر اور پورے عالم اسلام میں شیخ سے عقیدت رکھنے والے ہر فرد کے جذبات کی صحیح اور مؤثر ترجمانی ہو گئی ہے اور کسی نوعیت کے تکلف کا کوئی ادنیٰ شائبہ نہیں ہے۔ مرثیہ کے اشعار میں مالوف و مروج مفہوم کو شاعر نے کسی غرابت وجدت کے بغیر پیش کیا ہے لیکن اس کے باوجود ان میں ایک غیر معمولی سوز وگداز محسوس ہوتا ہے۔ شفیق استاد سے جدائی کی وجہ سے حافظ کے دل میں غم واندوہ کی جو آگ بھڑک رہی تھی اسے شعر کا جامہ پہنا کر انھوں نے اس مرثیہ میں شامل کر دیا ہے، اس مرثیہ کا کمال یہ ہے کہ اس کا ہر شعر منتخب اور اس صنف میں حافظ کے فنی کمال کا آئینہ دار ہے[۲]۔

بطور نمونہ چند اشعار ملاحظہ کیجئے۔

سلام علی الاسلام بعد محمد ۔۔۔ سلام علی ایامه النضرات

علی الدین والدنیا علی العلم والحجی ۔۔۔ علی البر والتقوی، علی الحسنات

لقد کنت اخشی عادی الموت قبله ۔۔۔ فاصبحت اخشی ان تطول حیاتی

فوالهفی والقبر بینی وبینه ۔۔۔ علی نظرة من تلکم النظرات

---

[۱] حافظ وشوقی ص ۱۴۵

[۲] حافظ وشوقی ص ۱۵۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وقفت علیه حاسر الرأس خاشعاً ... کانی حیال القبر فی عرفات
لقد جعلوا قدر الامام فاودعوا ... تجالیده فی موحش بفلاة
ولو ضرحوا بالمسجد این لانزلوا ... بخیر بقاع الارض خیر رفات

مرثیہ کے آخر میں کہتے ہیں :-

فیا منزلا فی عین شمس اظلنی ... وارغم حسادی وغم عداتی
دعائمه التقوی وآساسه الهدی ... وفیه الایادی موضع اللبنات
علیک سلام الله مالک موحشا ... عبوس المغانی مقفر العرصات؟
لقد کنت مقصود الجوانب آهلا ... تطوف بک الآمال مبتهلات

مثابة ارزاق ومهبط حکمة
ومطلع انوار وکنز عظات

جدید عربی ادب کی تاریخ میں حافظ کو جو نمایاں مقام حاصل ہوا ہے اس کا بڑا سبب ان کا یہی جذبہ اور سنجیدہ و پُرشکوہ اسلوب ہے، اس حیثیت سے ان کا مقام امیر الشعراء شوقی سے بھی اونچا ہے، لیکن مجموعی لحاظ سے شوقی و حافظ کو جدید عربی ادب میں دوسروں پر فوقیت حاصل ہے، جدید عربی شاعری کی موجودہ ترقی انہی دونوں کی کوششوں کی مرہونِ منت ہے [1]

انتہی۔

قواعد و ضوابط مفت طلب فرمائیے

---

[1] - حافظ و شوقی ص ۲۲۲

© rasailojaraid.com

سید سلیمان ندوی شاعر کی حیثیت سے

از ڈاکٹر محمد نعیم صدیقی ندوی ایم، اے پی۔ ایچ۔ ڈی۔ اعظم گڑھ

(۱)

علم و ادب کی تاریخ میں علامہ سید سلیمان ندوی ایک با کمال عالم و محقق اور مؤرخ و سیرت نگار کی حیثیت سے شہرۂ آفاق ہوئے۔ اور اس حیثیت سے ان کی شہرت و عظمت کے سامنے ان کی دوسری مثلاً ادبی، شعری اور تنقیدی حیثیتوں کا چراغ روشن نہ ہو سکا۔ اب مرور زمانہ نے انھیں ایک ادیب و انشا پرداز کی حیثیت سے تو تسلیم کرا بھی لیا ہے، لیکن ان کے بلند شعری ذوق اور معیاری مذاق سخن گوئی کا علم اب بھی خال خال ہی لوگوں کو ہے۔ حالانکہ سید صاحب کے کلام میں ناسخ کی مہارت زبان، شوکت الفاظ بلند پروازی اور نازک خیالی آتش کی مرصع سازی اور جوہر مردانگی، شاہ نصیر اور ذوق کی صنعت گری اور فنی کاوش، داغ کا منفرد لب ولہجہ امیر مینائی کی شستگی اور بیان کی صفائی اور جلال کا سحر زبان غرض وہ سب کچھ ہے جن کا لکھنوی دبستان شاعری کے نمایاں اور اہم ممیزات میں شمار ہوتا ہے۔

اس کے گوناگوں وجوہ ہیں۔ دراصل سید صاحب ایک باکمال شاعر ہونے کے باوجود کبھی اس کا اظہار پسند نہیں کرتے تھے۔ اور ہمیشہ اپنے اس ذوق کو ایک "جرم" اور "عیب" قرار دے کر رمز و اشارہ کے پردوں میں چھپانے کی سعی کرتے رہے[1]۔ لیکن ایک مسترشد غلام محمد نے "ارمغان سلیمان" کے نام سے ان کا مجموعۂ کلام مرتب کر کے کراچی سے ۱۹۶۶ء میں شائع کر دیا ہے۔ اس طرح اب یہ سربند خزانہ تقف عام ہو گیا ہے۔ اس کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ اگر سید صاحب نے شاعری کے کوچہ کو خیر باد نہ کہہ دیا ہوتا تو اس میدان میں بھی ان کا قدم کسی سے پیچھے نہ رہتا۔ مگر ان کے صحیفۂ

---

[1] سید سلیمان ندوی: میں جن سے متاثر ہوا" (مضمون) رسالہ معارف جولائی ۱۹۵۰ء

© rasailojaraid.com